Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE
Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 10, No 02
April to June 2026
Page No: 151 -166

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2026.100252

HISTORY OF THE PAPER
Received on: April 13, 2026
Accepted on: May 27, 2026
Published on: June 30, 2026

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

The Contemporary Urdu Novel "Khass o Khshak Zmaney": Manifestations of Social and Cultural Transformations A Research Study

معاصر اردو ناول "خس و خاشاک زمانے" میں سماجی و ثقافتی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ

AUTHOR(s)

Khalid Tofeeq
PhD Scholar, Department of Urdu
NUML, Islamabad

Dr Saima Nazir
Assistant Professor, Department of Urdu
NUML, Islamabad

ABSTRACT

This study examines social transformation in Mustansar Hussain Tarar's novel "Khas-o-Khashak Zamane" with particular emphasis on the changing structures of rural and urban society. The study explores how feudal authority, class hierarchy, family relations, caste, religious identity, urban expansion, consumer culture, migration, and displacement shape individual and collective life. The analysis demonstrates that social change in the novel is not presented as a simple transition from tradition to modernity; rather, traditional structures persist, transform, and interact with emerging social and economic forces. The movement from rural settings to urban spaces alters patterns of livelihood, social status, and interpersonal relationships, while migration and geographical displacement generate emotional alienation and identity crises across generations. The study argues that these transformations ultimately affect the individual's sense of belonging, family bonds, and selfhood. Thus, the novel presents social transformation as a multidimensional process that reshapes both society and human identity.

KEY WORDS

Social Transformation, Rural Society, Urbanization, Feudalism, Class, Family, Migration, Identity, Mustansar Hussain Tarar, Khas-o-Khashak Zamane

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

معاصر اردو ناول ''خس و خاشاک زمانے'' میں سماجی و ثقافتی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ

اردو ناول اپنے عہد کے سماجی، ثقافتی اور فکری رجحانات کی ترجمانی کرنے والی ایک اہم ادبی صنف ہے۔ ہر دور کا ناول اپنے معاشرے میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں، انسانی رویّوں، اقدار اور تعلقات کی نئی صورتوں کو اپنے اندر سمولیتا ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو ناول میں بھی ایسے متعدد موضوعات نمایاں ہوئے ہیں جو بدلتے ہوئے معاشرتی ڈھانچوں، شہری زندگی کے مسائل، شناختی بحران اور انسانی رشتوں کی شکست و ریخت سے متعلق ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کا ناول ''خس و خاشاک زمانے'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جو جدید تقسیم ہند کے ذرا بعد کے زمانے کے پیچیدہ تجربات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نفسیاتی و سماجی مسائل کو فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا ناول ''خس و خاشاکِ زمانے'' معاصر اردو فکشن کا ایک اہم اور وسیع المشمول ناول ہے جس میں فرد، خاندان، معاشرے، تہذیب اور تاریخ کے باہمی تعلق کو تقسیم ہند کے بعد کے زمانے سے لے کر اکیسویں صدی کے شروع تک کے دھارے کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی بیانیہ پنجاب کے معاشرتی اور تہذیبی ماحول سے جڑا ہوا ہے، تاہم اس کا دائرۂ کار مقامی زندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ مختلف جغرافیائی اور تہذیبی تجربات کے ذریعے بدلتے ہوئے انسانی اور سماجی رویوں کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ سماجی تغیرات کے تناظر میں اس ناول کی اہمیت اس امر میں ہے کہ یہاں معاشرہ ایک جامد اور مستقل اکائی کے طور پر سامنے نہیں آتا بلکہ وقت کے ساتھ اس کی اقدار، روایات، خاندانی تعلقات، طبقاتی رویے، رہن سہن، معاشی ترجیحات اور فرد کے سماجی کردار میں تبدیلی واقع ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ پرانی نسل اور نئی نسل کے درمیان پیدا ہونے والا فاصلہ، دیہی اور شہری زندگی کا باہمی تصادم، ہجرت کے نتیجے میں بدلتی ہوئی شناخت، معاشی حالات کے اثرات اور جدید تہذیبی رجحانات کی آمد ایسے عوامل ہیں جو سماجی ساخت کو نئی صورت عطا کرتے ہیں۔

ناول میں روایت اور جدیدیت کی کشمکش بھی سماجی تغیر کا ایک اہم مظہر بن کر سامنے آتی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کے نتیجے میں بعض قدیم اقدار کمزور پڑتی ہیں، بعض نئی صورتوں میں زندہ رہتی ہیں اور کچھ نئی سماجی اقدار ان کی جگہ لینے لگتی ہیں۔ اس پورے عمل میں فرد محض تبدیلی کا متاثرہ فریق نہیں بلکہ بعض مواقع پر خود بھی سماجی تبدیلی کا محرک بنتا ہے۔ یوں ''خس و خاشاکِ زمانے'' کو سماجی تغیرات کے حوالے سے پڑھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تاریخی واقعات اور معاشی و تہذیبی تبدیلیاں محض بیرونی حالات کو نہیں بدلتیں بلکہ ان کے اثرات انسانی تعلقات، خاندانی نظام، طبقاتی شعور، اقدار، شناخت اور روزمرہ زندگی تک پھیل جاتے ہیں۔ یہی پہلو اس ناول کو بدلتے ہوئے پاکستانی / پنجابی معاشرے کی سماجی تشکیل اور تغیر کے مطالعے کے لیے اہم بناتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کی ناول نگاری اور تہذیبی جڑت کی خاص شناخت کے متعلق نازیہ پروین اپنی کتاب ''خس و خاشاک زمانے فکری و فنی جہات'' میں لکھتی ہیں:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"مستنصر حسین تارڑ کے ناولوں میں گہرے تنقیدی شعور کا ثبوت ملتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ اور تہذیب و تمدن کی جھلک بڑی نمایاں اور خاص ترتیب سے موجود ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے فکری، فنی اور موضوعاتی حوالوں سے اردو ناول کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کی جڑیں اپنی مٹی، تہذیب اور کلچر سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی تحریروں میں پنجاب بولتا ہے۔ اپنی تہذیب سے جڑت مستنصر حسین تارڑ کے پہلے ناول سے لے کر آخر تک برقرار ہے۔"(۱)

جدید معاشرے میں روایت سے جدیدیت کی طرف منتقلی نے انسانی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے۔ خاندانی نظام، سماجی تعلقات، اجتماعی اقدار اور ثقافتی شناختیں تیزی سے تغیر پذیر ہوئی ہیں۔ اس تبدیلی نے جہاں فرد کو اظہارِ ذات اور شخصی آزادی کے نئے امکانات فراہم کیے ہیں، وہیں تنہائی، اجنبیت، لاتعلقی اور وجودی بے معنویت جیسے مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔ بالخصوص شہری متوسط طبقہ اس تبدیلی کے اثرات کو شدید طور پر محسوس کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک طرف روایتی اقدار سے وابستہ رہنا چاہتا ہے اور دوسری طرف جدید طرزِ زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں فرد کی شناخت، اس کے تعلقات اور اس کی نفسیاتی ساخت متعدد بحرانوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ الیاس بابر اعوان خس و خاشاک زمانے کے متعلق اپنے مضمون "خس و خاشاک زمانے تہذیبی مہابیانیے اور عدم شناخت کا المیہ" میں لکھتے ہیں:

"خس و خاشاک زمانے جیسے کثیر الکرداری اور کثیر الموضاعاتی ناول کے متن کی تفہیم تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ تارڑ کے ہاں اردو ادب میں ایک مجہول فکری اور بیانوی تحریک یعنی ترقی پسندی اور ان کے ہاں کی نام نہاد علامتی اور غیر مرئی تخلیقیت دکھائی نہیں دیتی۔ مستنصر حسین تارڑ کے ہاں عالمی سماج اور خاص کر ہندوی سماج کے انسان کے ساتھ انسانی سطح جو تعلق طے پاتا ہے وہ ان کے متن کے پسِ پردہ محرکات میں سے ایک ہے، پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ مستنصر حسین تارڑ کا نوعِ انسان کے ساتھ تعلق بہت گہرا اور عملی ہے۔ ان کی پیش بینی نہایت شفاف اور واضح ہے جن کا بنیادی مرکزہ برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق ہے۔ دوسری طرف اس کے ہاں اس اشرافیہ کا بھی ذکر ہے جو مغربی نو آبادیاتی عناصر کے زیرِ اثر ہے اور سیاسی سماجی بحرانوں سے فراریت کی راہ تلاشتی رہتی ہے۔ فراریت کی اس فکر کے زیرِ اثر لوگ معروضی حقائق کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتے ہیں نہ ہی ان سے کوئی سبق سیکھ سکتے ہیں۔"(۲)

زیرِ نظر مضمون میں ناول "خس و خاشاک زمانے" کا مطالعہ سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ناول میں بدلتے ہوئے سماجی رویّے، خاندانی بندھنوں کی کمزوری، فردیت کے فروغ، شہری زندگی کی بے حسی، اخلاقی اقدار کی تبدیلی اور تعلیم یافتہ متوسط طبقے کے فکری و وجودی مسائل کس انداز میں منعکس ہوئے ہیں۔ یہ مطالعہ اس امر کو بھی واضح

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

کرنے کی کوشش کرے گا کہ ''خس و خاشاک زمانے'' قریباً ایک صدی پر محیط پنجاب کے ارتقاء کی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی داخلی تصویر ہے جو روایت سے جدیدیت کی طرف لڑھک کر نئی سماجی و ثقافتی شناختوں کی تشکیل کے مرحلے میں داخل ہو کر کس قدر پریشان ہوتا ہے۔

> ''لوگ محمد جہاں سے ڈرنے لگے تھے۔۔چوہدری فتح جہان نمبردار کے دس برس کے پتر سے ڈرنے لگے تھے۔۔وہ سامنے سے آرہا ہوتا تو راستہ بدل لیتے۔۔وہ اُس سے خوف کھاتے تھے اگرچہ اس نے آج تک کسی ذی روح کو گزند نہ پہنچائی تھی، ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا پر لوگ اس کی مسلسل مسکراہٹ سے بھی طرح طرح کے پوشیدہ مفاہیم نکال لیتے اور راستے سے ہٹ جاتے۔ جیسا کہ رواج تھا وہ کنویں کی جانب رواں سر پر چاٹی رکھے کسی عورت کے قریب جا کر کہتا کہ چاچی۔۔ایک گھونٹ لسی تو پلا دو تو وہ عورت انہی قدموں پر ساکت ہو جاتی، چاٹی زمین پر رکھ کر اُس کی گردن کے گرد گرفت مضبوط کر کے اسے جھکاتی ہوئی مٹی کے پیالے میں لسی انڈیلنے لگتی تو وہ پیالہ چھلکنے لگتا تب بھی لسی انڈیلتی چلی جاتی کہ وہ خوفزدہ کیفیت میں محمد جہاں کو تکتی جاتی۔''(۳)

سماجی تغیر کا بنیادی محرک طاقت کے غیر مساوی سماجی ڈھانچے اور جاگیر دارانہ معاشرت میں اختیار و خوف کا باہمی تعلق ہے۔ محمد جہاں کی عمر محض دس برس ہے، اس کے باوجود لوگ اس سے خوف زدہ ہیں، کیونکہ اس کی ذاتی شخصیت سے زیادہ اس کے پس منظر میں موجود چوہدری فتح جہان نمبردار کی سماجی حیثیت اس کے رویے کو معنی عطا کرتی ہے۔ یوں ناول نگار ایک ایسے معاشرتی نظام کی نشان دہی کرتا ہے جس میں فرد کی سماجی قوت ہمیشہ اس کی عمر، صلاحیت یا ذاتی کردار سے متعین نہیں ہوتی بلکہ خاندان، زمین، عہدے اور موروثی اقتدار سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ محمد جہاں نے آج تک کسی ذی روح کو گزند نہیں پہنچائی اور بظاہر اس کا رویہ دوستانہ ہے؛ وہ ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود لوگ اس کے سامنے سے راستہ بدل لیتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوف کسی حقیقی تشدد کے نتیجے میں نہیں بلکہ سماجی طاقت کے تصور سے پیدا ہوا ہے۔ لوگوں کے ذہن میں یہ شعور راسخ ہے کہ نمبردار کے بیٹے کے ساتھ معمول کا برتاؤ بھی کسی ممکنہ نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ اس طرح طاقت ایک جسمانی عمل سے پہلے ہی ذہنی اور نفسیاتی اثر پیدا کر چکی ہے۔ سماجی تغیر کے مطالعے میں یہ پہلو اس لیے اہم ہے کہ معاشرتی تبدیلی صرف اداروں یا معاشی حالات میں تبدیلی کا نام نہیں؛ افراد کے باہمی تعلقات، رویوں اور خوف کی نفسیات میں آنے والی تبدیلی بھی سماجی ساخت کی تشکیل نو کرتی ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

محمد جہاں کا عورتوں سے لسی طلب کرنا بظاہر ایک معمولی دیہی معاشرتی روایت کا حصہ ہے، مگر اقتباس میں اس روایت کے اندر موجود طبقاتی اور طاقت کے رشتے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عورت چاچی کہہ کر مخاطب کیے جانے کے باوجود آزادانہ طور پر انکار نہیں کر سکتی۔ وہ فوراً رک جاتی ہے، چاٹی زمین پر رکھ دیتی ہے اور خوف کی کیفیت میں لسی انڈیلنے لگتی ہے۔ یہاں "چاچی" کا لفظ ایک مانوس اور خاندانی رشتے کا احساس پیدا کرتا ہے، لیکن اس رشتے کے پس پردہ موجود طبقاتی طاقت اسے رسمی مساوات میں تبدیل نہیں ہونے دیتی۔ یوں روایتی سماجی تعلقات اور طبقاتی اقتدار ایک دوسرے میں پیوست دکھائی دیتے ہیں۔ مزید اہم بات یہ ہے کہ لسی کا پیالہ چھلکنے کے باوجود عورت لسی انڈیلتی چلی جاتی ہے۔ یہ منظر اس معاشرتی تغیر کی داخلی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جس میں روایت، خوف اور طاقت باہم مل کر فرد کے معمول کے رویے کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ جو عمل رضاکارانہ مہمان نوازی یا دیہی معاشرتی روایت کا حصہ ہونا چاہیے تھا، وہ طاقت کے عدم توازن کے باعث خوف زدہ اطاعت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ یہاں سماجی تغیر صرف "رویہ بدلنے" کی سطح پر نہیں بلکہ روایتی سماجی اقدار کے مفہوم میں تبدیلی کی صورت میں سامنے آتا ہے: اپنائیت کا رشتہ اختیار کے رشتے میں اور خدمت کا عمل خوف زدہ اطاعت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

> "الف جہاں بے اولاد قبر میں اترا۔۔ محمد جہاں کے ہاں پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔۔ ان میں سب سے بڑی کو اس کی سوکن نے زہر دے دیا۔۔ اور بخت جہاں۔۔ اُس کی آل اولاد کی گنتی کیسے کی جا سکتی تھی۔۔ نکاح کے اندر یا باہر کا کوئی خاص حساب نہ تھا۔۔"(۴)

مذکورہ بالا تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ فرد کی موت کے بعد اس کی سماجی موجودگی کس حد تک اس کی اولاد اور نسل کے تسلسل سے وابستہ سمجھی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس صرف اولاد کی کثرت کو بیان نہیں کرتا بلکہ خاندانی نظام کے اندر طاقت، عورت اور جان کے عدم تحفظ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ محمد جہاں کی سب سے بڑی بیٹی کا اس کی سوکن کے ہاتھوں زہر دیے جانے کا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ خاندان محض محبت، تحفظ اور رشتے داری کا ادارہ نہیں بلکہ اس کے اندر باہمی رقابت اور طاقت کے ایسے رشتے بھی موجود ہیں جو کمزور فرد، بالخصوص عورت اور بچی، کو شدید عدم تحفظ سے دوچار کر سکتے ہیں۔ یوں پچھلے اقتباس میں جو طاقت گھر اور معاشرے کے بیرونی دائرے میں خوف پیدا کر رہی تھی، یہاں وہی طاقت خاندانی تعلقات کے اندرونی ڈھانچے میں داخل ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سب سے نمایاں پہلو بخت جہاں کی اولاد کے حوالے سے "نکاح کے اندر یا باہر" کی تفریق کا غیر اہم ہو جانا ہے۔ "آل اولاد کی گنتی کیسے کی جاسکتی تھی" اور "نکاح کے اندر یا باہر کا کوئی خاص حساب نہ تھا" جیسے الفاظ روایتی ازدواجی نظم کے مقابل ایک ایسے معاشرتی رویے کو سامنے لاتے ہیں جس میں جنسی تعلق، نکاح اور اولاد کے درمیان قائم روایتی حدود کمزور پڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں سماجی تغیر کی نوعیت محض اخلاقی تبدیلی نہیں بلکہ خاندانی ادارے کی تعریف اور اس کے نظم میں تبدیلی ہے۔ نکاح، جو روایتی معاشرے میں نسب، اولاد اور خاندان کے تعین کا بنیادی ادارہ ہے، اس کردار کی زندگی میں اپنی تحدیدی حیثیت کھوتا نظر آتا ہے۔

> "اُس کی حیات میں بے انت عورتیں آئی تھیں۔۔ بیشتر تو جولاہیاں، کمارنیاں اور مضبوط بدن کی ماچھنیں تھیں جن کے لیے اس سے بڑھ کر فخر کی کوئی بات نہ تھی کہ بخت جہان ایسے چوہدری نے راہ چلتے انہیں دیکھ کر ایک کھنگورا مارا تھا اور ایک سرگوشی میں صرف اتنا کہہ کر گزر گیا تھا کہ سوہنیے کبھی میری طرف بھی پھیرا توڈال۔۔ اور وہ اپنے خاوندوں اور بھائیوں سے چوری چھپے اپنے من کی مرضی سے اُس کے ہاں پھیرا ڈال دیتیں۔"(۵)

طبقاتی تفاوت کی ایک نہایت معنی خیز صورت سامنے آتی ہے۔ بخت جہاں کے تعلق میں آنے والی عورتوں میں "جولاہیاں، کمارنیاں اور ماچھنیں" شامل ہیں۔ ان پیشہ ورانہ اور طبقاتی شناختوں کا ذکر محض عورتوں کی شناخت کے لیے نہیں بلکہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنسی تعلق کے ذریعے اعلیٰ سماجی مرتبے کا فرد نچلے معاشرتی طبقات تک اپنا اثر و اختیار منتقل کر رہا ہے۔ اس صورتِ حال میں جنس اور طبقہ ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ بخت جہاں کا ایک معمولی سا اشارہ بھی ان عورتوں کے لیے اس لیے معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک طاقتور سماجی شخصیت کی توجہ حاصل کرنے کو اپنے لیے امتیاز تصور کرتی ہیں۔ یہاں سماجی تغیر کا اہم پہلو جنسی تعلق کے سماجی مفہوم میں تبدیلی ہے۔ بظاہر یہ تعلق سماجی اخلاقیات اور ازدواجی حدود سے انحراف ہے، لیکن متعلقہ عورتوں کے رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ اس تعلق کو صرف اخلاقی جرم کے طور پر نہیں دیکھتا؛ بعض صورتوں میں یہ طاقتور طبقے سے قربت کے باعث ایک سماجی قدر یا فخر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یوں روایتی اخلاقی ضابطہ اور طاقت کے عملی اثرات ایک دوسرے کے مقابل آجاتے ہیں۔

خصوصاً "اپنے خاوندوں اور بھائیوں سے چوری چھپے" بخت جہاں کے ہاں جانے کا ذکر اس معاشرتی تضاد کو نمایاں کرتا ہے۔ ایک طرف نکاح، خاندان اور عفت کے روایتی تصورات موجود ہیں، دوسری طرف طاقتور مرد کی کشش ان حدود کو پس پشت ڈالنے پر آمادہ کرتی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ہے۔اس طرح روایتی خاندانی نظم اپنی ظاہری سطح پر برقرار رہتے ہوئے اندر سے کمزور ہوتا دکھائی دیتا ہے۔عورتیں اپنے ازدواجی اور خاندانی تعلقات کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک متبادل خواہش اور تعلق کے لیے خفیہ راستہ اختیار کرتی ہیں۔یہ صورتِ حال سماجی تغیر کی اس پیچیدہ نوعیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں پرانا نظام مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر نئی خواہشات اور نئے رویے جگہ بناتے ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس میں عورت کی حیثیت بھی دو متضاد سطحوں پر سامنے آتی ہے۔ایک طرف عورت بخت جہاں کی سماجی طاقت سے متاثر ہو کر اپنی مرضی سے اس کی طرف جاتی ہے، جس سے شخصی خواہش اور عورت کے انتخاب کا پہلو سامنے آتا ہے؛ دوسری طرف اس انتخاب کی بنیاد جس معاشرتی ساخت میں ہے، وہ طبقاتی طاقت سے خالی نہیں۔چنانچہ عورت کے اس عمل کو محض آزادانہ جنسی اختیار قرار دینا متن کی پیچیدگی کو محدود کر دے گا۔یہاں خواہش، سماجی مرتبہ اور طاقت باہم مل کر عورت کے فیصلے کی تشکیل کرتے ہیں۔

> ”جب امرت کور ماس کی ایک سلگتی ہانڈی تھامے اُس کی چوکھٹ پار ہوئی تھی جہاں بخت جہان کی نیلی آنکھوں کے برچھے اس کے بدن کو چھید کر جانے والے تھے۔۔کیکر کی پہلی توڑ کی شراب کا پیالا اگر لبوں تک آتے آتے یکدم معلق ہو جائے، ٹھہر جائے اور ایک عورت جو اس کی بھابھی تھی وہ اس کے رنگ روپ میں پگھل کر یہ رشتہ فراموش کر دے۔۔یہ سارے رشتے عزت اور احترام کے سب کے سب کچے گھڑوں کی مانند عشق آتش کے چناب پانیوں میں گھل جائیں۔۔تو پھر انسان میں کچھ حیا نہیں رہتی۔۔بخت جہان کے ساتھ بھی بے حیائی کا یہی معاملہ ہو گیا تھا۔۔“(۶)

یہاں ایک نہایت اہم سماجی ارتقائی مرحلہ سامنے آتا ہے: پہلے بخت جہاں طاقتور طبقے کی عورتوں تک رسائی حاصل کرتا تھا؛ پھر نکاح کے اندر اور باہر کے تعلقات کی حدیں دھندلی ہوتی ہیں؛ اب معاملہ اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں ایک موجودہ خاندانی رشتہ بھی شخصی خواہش کے سامنے اپنی پابند قوت کھو دیتا ہے۔سماجی تغیر بتدریج خارجی سماجی تعلقات سے داخلی خاندانی ڈھانچے تک منتقل ہو رہا ہے۔امرت کور کا اپنے دو بیٹوں سمیت گھر سے آنا اس واقعے کو مزید وسیع سماجی معنویت عطا کرتا ہے۔یہ محض دو افراد کے درمیان تعلق کا واقعہ نہیں رہتا بلکہ اس کے اثرات اگلی نسل تک منتقل ہوتے ہیں۔خاص طور پر یہ حقیقت کہ وہ بچے بخت جہاں کو ”چاچا“ کہتے تھے، ایک گہرا تضاد پیدا کرتی ہے: ایک طرف روایتی خاندانی زبان میں ”چاچا“ کا احترام اور رشتے کا تصور موجود ہے، دوسری طرف اسی رشتے کی سماجی بنیاد عملاً تبدیل ہو چکی ہے۔یوں رشتے کا نام برقرار رہتا ہے مگر اس کا سماجی مفہوم بدل جاتا ہے۔یہی سماجی تغیر کی ایک نہایت اہم اور باریک صورت ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مصنف کا "کچے گھڑوں" کا استعارہ بھی اسی شکست و ریخت کو واضح کرتا ہے۔ عزت، احترام اور خاندانی نسبتیں بظاہر مضبوط سماجی اقدار ہیں، لیکن جب وہ "عشق" کے تجربے سے گزرتی ہیں تو ان کی پائیداری مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر ناول نگار دراصل یہ دکھاتا ہے کہ سماجی اقدار مطلق اور ناقابلِ تغیر نہیں ہوتیں؛ ان کی قوت فرد کے جذبات، خواہشات اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات سے متاثر ہوتی رہتی ہے۔ امرت کور جب لہنے سنگھ کا گھر چھوڑ کر آتی ہے تو بھاگ بھری بھی بخت جہاں کا گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس حوالے سے نازیہ پروین لکھتی ہیں:

> "تیسری بیوی بھاگ بھری نے بخت جہاں کی چوتھی بیوی کی حیثیت سے امرت کور کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر گھر ہی چھوڑ دیا۔ اس واقعے نے بھی بخت جہاں پر بظاہر کوئی اثر نہ کیا۔ اسے تو اپنے دوست لہناں سنگھ جونت کلاں کا جاٹ تھا اس کی عزت اور یاری کا بھی کوئی خیال نہ آیا امرت کور اس کی بیوی تھی۔ جو اپنے دو بیٹوں گوبند سنگھ اور نہال سنگھ کے ساتھ بخت جہاں کی چوکھٹ پار کر کے اس کے صحن میں داخل ہو جاتی ہے۔"(۷)

تاہم بخت جہاں کے کردار میں ایک اہم تضاد بھی موجود ہے۔ ظاہر دوستی باطن لالچ، "انسان میں کچھ حیا نہیں رہتی" اور "بے حیائی" کا تصور آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ کردار روایتی سماجی حدود سے تجاوز کر چکا ہے، لیکن روایتی اخلاقی شعور مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ سماجی تغیر یہاں پرانی اقدار کے مکمل خاتمے کے بجائے ان کے ساتھ مسلسل کشمکش کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہی پہلو اس اقتباس کو محض جنسی تعلق کا بیان بننے سے بچاتا ہے اور اسے روایت، خواہش اور سماجی ضابطے کے باہمی تصادم کا متن بنا دیتا ہے۔

> "امرت کور یکدم ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور انہیں اپنے ہاتھوں سے پرے دھکیلتی ہوئی کہنے لگی "پترو۔۔ میں نے آج۔۔ تمہارے چاچے کو تمہارے باپ لہناں سنگھ کو اور اس کے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا ہے۔۔ سن رہے ہو؟" اگرچہ ان کے کان پگڑیوں سے ڈھانپے ہوئے تھے پر وہ خوب سن رہے تھے۔۔ "اور میں تمہارے چاچے کو چھوڑ کر دنیا پور کے بخت جہان کے پاس جا رہی ہوں، اگر تو وہ مجھے قبولتا ہے تو میں اس کی گھر والی بن جاؤں گی نہیں تو وہاں کے بڑے جوہڑ میں کود مروں گی۔۔"۔۔ پر بے بے۔۔ چاچا بخت جہان تو مسلا ہے۔" تو پھر کیا ہوا۔۔ ہے تو ہماری طرح ایک جاٹ ناں۔۔ دھرم تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ پر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ذات تو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔۔۔ جہاں اں چاچا مسلا ہے۔ ""وہ اتنا ہی مسلا ہے جتنا تمہارا باپ سکھ ہے، ان جاٹوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔"(۸)

امرت کور محض بخت جہاں کے پاس نہیں آتی بلکہ اپنے فیصلے کا باقاعدہ اعلان کرتی ہے۔ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے کہتی ہے کہ وہ ان کے باپ، اپنے گھر اور سابقہ ازدواجی زندگی کو "ہمیشہ کے لیے" چھوڑ رہی ہے۔ اس اعلان میں سماجی تغیر کی وہ صورت نمایاں ہوتی ہے جس میں خاندانی ادارے کی اجتماعی گرفت کے مقابل فرد کا شخصی فیصلہ اہمیت اختیار کرنے لگتا ہے۔ مذکورہ اقتباس کا سب سے اہم محرک ذات اور مذہب کے باہمی تعلق میں تبدیلی ہے۔ بیٹوں کا فوری اعتراض یہ ہے کہ بخت جہاں "مسلا" ہے، یعنی مذہبی شناخت ایک ایسی رکاوٹ کے طور پر سامنے آتی ہے جو امرت کور کے فیصلے کو ناقابلِ قبول بنا سکتی ہے۔ لیکن امرت کور کا جواب اس روایتی ترتیب کو یکسر بدل دیتا ہے: "دھرم تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ پر ذات تو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔" یہاں مذہبی شناخت کو عارضی اور ذات کو مستقل قرار دینا اس معاشرتی شعور کی عکاسی کرتا ہے جس میں ذات برادری مذہبی شناخت سے زیادہ گہری سماجی وابستگی بن جاتی ہے۔ یہ جملہ ناول کے سماجی تناظر میں خاص اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ امرت کور کا بخت جہاں کے ساتھ تعلق کسی مذہبی تبدیلی یا عقیدے کی تبدیلی کے طور پر سامنے نہیں آتا؛ بلکہ وہ مذہبی سرحد کو عبور کرتے ہوئے ذات کی مشترک شناخت کو بنیاد بناتی ہے۔ دونوں "جاٹ" ہیں، اس لیے اس کے نزدیک مذہبی فرق ثانوی ہو جاتا ہے۔ اس طرح مصنف ایک ایسے معاشرتی شعور کی نشان دہی کرتے ہیں جس میں مذہب، ذات، برادری اور خاندانی شناخت باہم مربوط ہونے کے باوجود ہر صورت میں یکساں درجہ نہیں رکھتے؛ مخصوص حالات میں ایک شناخت دوسری شناخت پر فوقیت حاصل کر لیتی ہے۔

یہاں سماجی تغیر کی جدت اس بات میں ہے کہ مذہبی سرحد عبور کرنے کے لیے کسی جدید یا نظریاتی مذہبی شعور کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ خود روایتی ذات پات کا نظام اس سرحد کو عبور کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ امرت کور مذہبی مساوات کا کوئی فلسفہ پیش نہیں کرتی؛ وہ جاٹ ہونے کی مشترک شناخت کو مذہبی اختلاف پر ترجیح دیتی ہے۔ اس طرح ناول نگار سماجی شناختوں کے باہمی تعلق کو ایک پیچیدہ صورت میں سامنے لاتے ہیں: جو ذات پات کا نظام بظاہر روایتی اور قدامت پسند ہے، وہی بعض حالات میں مذہبی تفریق کو کمزور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مصنف نے ناول میں سماجی تغیرات کے حوالے سے دیگر اہم باتوں میں سے ایک نکتہ یہ بھی اٹھایا ہے کہ دیہات کے لوگ اب شہر کی طرف رخ کرنے لگے تھے۔ نوراں کی ڈولی جب بازار سے گزرتی ہے تو وہ حیران ہو جاتی ہے کہ ہمارے محلے میں صرف ایک دکان تھی اور یہاں تو ہر طرح کے سامان کی الگ الگ دکانیں ہیں۔

> "پورے دنیا پور میں تو بس حافظ جی ایک ہی پرچون کی ہٹی تھی جس میں چیزیں کم تھیں اور مکھیاں زیادہ پر اس بازار میں تو بڑی بڑی ہٹیوں کی قطاریں لگی تھی۔۔ ہر شے کی۔۔ کپڑوں، جوتوں، صندوقوں، گھڑیوں اور مٹھائیوں کی ہٹیاں الگ الگ تھیں۔۔ وہاں ان کو ہٹیاں نہیں دوکانیں کہتے تھے۔۔ اُن کے باہر اس بازار میں فربہ ہندنیوں اور سکھنیوں کی بگھیاں کھڑی تھیں۔"(۹)

بخت جہاں کی بھتیجی کا اپنی شادی کے موقع پر پہلی مرتبہ بازار دیکھنا محض ایک معمولی واقعہ نہیں بلکہ دیہی اور شہری معاشرت کے درمیان موجود تہذیبی و معاشرتی فاصلے کو نمایاں کرنے والا اہم منظر ہے۔ دنیا پور میں "بس حافظ جی ایک ہی پرچون کی ہٹی" کا ذکر ایک ایسی دیہی معیشت کی تصویر پیش کرتا ہے جہاں ضروریاتِ زندگی محدود، کاروباری سرگرمیاں مختصر اور صارفیت کا دائرہ محدود ہے۔ اس کے مقابل شہر کا بازار "بڑی بڑی ہٹیوں کی قطاروں"، مختلف اشیا کی الگ الگ دکانوں اور متنوع صارفین کے ساتھ ایک بالکل مختلف معاشی اور سماجی دنیا تشکیل دیتا ہے۔

یہاں سماجی تغیر کا بنیادی محرک شہری مراکز کا پھیلاؤ اور دیہی فرد کا شہری معیشت سے سابقہ ہے۔ دیہی زندگی میں جہاں ایک ہی دکان روزمرہ ضرورت کی بیشتر اشیا پوری کرتی ہے، شہری بازار میں اشیا کی تخصیص اور تنوع ایک نئے معاشی نظام کی علامت بنتا ہے۔ "کپڑوں، جوتوں، صندوقوں، گھڑیوں اور مٹھائیوں" کی الگ الگ دکانیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ شہری معاشرہ تقسیمِ محنت، کاروباری تخصص اور صارفین کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے اعتبار سے دیہی معاشرے سے مختلف سماجی ساخت رکھتا ہے۔ "وہاں ان کو ہٹیاں نہیں دوکانیں کہتے تھے" کا معمولی سا لسانی فرق بھی اس تغیر کی گہری علامت بن جاتا ہے۔ "ہٹی" سے "دکان" تک کا سفر دراصل لفظ کا نہیں، سماجی تجربے کا سفر ہے۔ بخت جہاں کی بیوی ایک ایسے ماحول میں داخل ہوئی ہے جہاں اشیا ہی نہیں بلکہ انہیں دیکھنے، خریدنے اور ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ زبان میں آنے والی یہ تبدیلی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شہری زندگی اپنے ساتھ ایک نئی معاشی لغت اور نیا سماجی شعور بھی لے کر آتی ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"جو معتبر اور حیثیت والے تھے وہ دوکانوں کے اندر جا کر خریداری کرنا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔۔اُن کی بگھیاں بار رکتی تھیں اور دوکاندار لپکتے ہوئے آکر ان کے پاؤں میں بچھے چلے جاتے تھے۔۔وہ ان بگھیوں میں پاؤں پسارے براجمان ہندنیوں اور سردارنیوں کے پاؤں کا ناپ ایک کاغذ پر اتارتے اور پھر بھاگم بھاگ دوکان کے اندر جا کر گرگابیوں اور سینڈلوں کے درجنوں ڈبے اور اپنے ملازموں کے کاندھوں پر رکھوائے چاپلوسی کی مسکراہٹیں بکھیرتے واپس آتے اور ان کے قدموں میں رکھ دیتے۔۔"(۱۰)

سماجی تغیر کا اہم محرک معاشی حیثیت کا سماجی وقار میں تبدیل ہونا ہے۔ دکان سے چیز خریدنا عام صارف کے لیے ایک معاشی ضرورت ہے، لیکن بااثر طبقے کے لیے یہی عمل اس کے مرتبے سے کم تر سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ بازار میں موجود اشیا کی قدر سے زیادہ اہم خریدار کی سماجی حیثیت ہو جاتی ہے۔ دوکاندار خود بگھی تک آتے ہیں، پاؤں کا ناپ لیتے ہیں اور اشیا گاہک کے قدموں میں پیش کرتے ہیں۔ اس طرح تجارت کا روایتی تصور، جس میں خریدار دکان پر آتا اور چیز خریدتا ہے، ایک ایسے نئے طبقاتی رویے میں بدل جاتا ہے جہاں خدمت کا انداز بھی مرتبے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ "دوکاندار لپکتے ہوئے آکر ان کے پاؤں میں بچھے چلے جاتے تھے" محض مبالغہ آمیز منظر نگاری نہیں بلکہ طاقت اور معیشت کے باہمی تعلق کی علامت ہے۔ طاقت اور معیشت ایسی چیزیں ہیں سماجی اقدار کو بہت حد تک زیر وزبر کرنے پر اختیار رکھتی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے قریباً سبھی ناولوں میں طاقت اور معیشت کا استعمال ملتا ہے، اسی طرح "خس وخاشاک زمانے" میں بھی مذکور طاقتوں نے واضح کردار ادا کیا ہے۔ طاقت اور معیشت کے ثقافتی تغیرات پر اثرات کے متعلق نازیہ پروین لکھتی ہیں:

"تہذیب وثقافت پر جابرانہ نظام بہت زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ معاشرے کے پسے ہوئے لاچار وبے بس لوگ جو زور آوروں کے جبر کا شکار ہو کر معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ ناول میں تاریخ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ہجرت مدینہ کا حوالہ، حضرت فاطمہ کی شادی کا بیان، حضرت مریم، سکندر اعظم کے گھوڑے کے نشان، مہاتما بدھ کا بیان، موسیٰ کا طور پر جانا، ہیر رانجھا کی داستان۔۔۔"(۱۱)

دوکاندار کے لیے دولت مند گاہک محض خریدار نہیں بلکہ اس کی معاشی بقا کا اہم ذریعہ ہے۔ نتیجتاً اقتصادی ضرورت اسے سماجی طور پر طاقتور فرد کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتی ہے۔ یوں بازار میں سرمایہ رکھنے والا اور سرمایہ کمانے والا دو الگ سماجی حیثیتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں: ایک کے پاس خریدنے کی طاقت ہے اور دوسرے کے پاس فروخت کرنے کی ضرورت۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مذکورہ اقتباس میں بگھی بھی سماجی طبقے کی علامت بن کر سامنے آتی ہے۔ جس طرح پچھلے اقتباس میں بگھیاں شہری معاشرت کی رنگا رنگی اور نسبتاً خوش حال طبقے کی موجودگی کا نشان تھیں، یہاں وہ براہِ راست طبقاتی امتیاز کی علامت بن جاتی ہیں۔ بااثر خواتین کا دکان میں داخل نہ ہونا اور دکان داروں کا ان تک پہنچنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ شہری زندگی میں جدید تجارتی سہولتیں آنے کے باوجود سماجی مساوات پیدا نہیں ہوئی؛ بلکہ بعض صورتوں میں معاشی قوت نے طبقاتی فاصلے کو مزید نمایاں کر دیا ہے۔

"تو کبھی یہ گاؤں گورومانگٹ بھی شہر لاہور سے دور ہریاول اور شجروں کی گھناوٹ میں پوشیدہ ہرے بھرے سانس لیتا اپنی تنہائی میں مطمئن اور آسودہ تھا۔۔ لیکن پھر توسیعِ شہر کے سنپولیے رینگتے رینگتے اس کے اندر تک آ گئے بلکہ اسے چاٹ کر آگے بڑھ گئے اور اس گاؤں کے ارد گرد جہاں کبھی کھیت اور کنویں تھے اور باغوں میں بلبل بولتی تھی گلبرگ نامی ایک بستی کا ناسور جنم لینے لگا۔۔ اور اس کی جدیدت نے اس گاؤں کی قدامت کا گلا گھونٹ دیا۔"(۱۲)

درج بالا اقتباس اسی شہری پھیلاؤ کے ایک گہرے اثر یعنی دیہی زمینوں کے شہری کالونیوں میں تبدیل ہونے کو نمایاں کرتا ہے۔ گورومانگٹ کا کبھی سرسبز، پُرسکون اور زرعی ماحول شہر کی توسیع کے نتیجے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہاں سماجی تغیر کا بنیادی محرک شہری آبادی اور تعمیراتی توسیع ہے، جو کھیتوں، کنوؤں اور باغات کی جگہ نئی آبادی کو جنم دیتی ہے۔ "قدامت کا گلا گھونٹ دیا" محض منظر کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک پورے دیہی طرزِ زندگی، اس کی معاشی بنیاد اور ثقافتی شناخت کے زوال کی علامت ہے۔ یوں شہر کا پھیلاؤ دیہی اور شہری معاشرت کے درمیان موجود حد کو مٹا کر ایک نئی شہری سماجی ساخت تشکیل دیتا ہے۔

"یہ میری وراثت ہے۔ میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ میں اس رقم کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔۔ میں نے کچھ ابتدائی ایام بھوک اور بیکاری میں گذارے لیکن اپنے باپ کی جائیداد کے اس حصے کو کبھی نہیں چھیڑا۔۔ میں اسے تب استعمال میں لاؤں گا جب میں اس ملک میں جڑیں پکڑ لوں گا۔۔ اس سرزمین میں دفن ہونے کا فیصلہ کر لوں گا۔۔ میں۔۔ گستاف۔۔ اگرچہ میں بیکار ہوں۔۔ پر نادار نہیں ہوں۔ بیکاری کے ان ایام میں۔۔ سوتے جاگتے۔۔ مچلی میں شامیں گذارتے اس نے نیویارک ٹائمز میں ایک مختصر سی خبر پڑھی۔۔ جو لوگ اپنی زمین

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سے بچھڑ جاتے ہیں۔۔معاشی یا اپنی جان کے تحفظ کی خاطر کسی اور سرزمین میں منتقل ہو جاتے ہیں۔وہ اپنی زمین کے حوالے سے اتنے ترس جاتے ہیں کہ ان پر ترس آنے لگتا ہے۔"(۱۳)

سماجی تغیر کی ایک اگلی اور زیادہ وسیع صورت، یعنی زمین سے جدائی اور بیرونِ ملک ہجرت کو نمایاں کرتا ہے۔ یہاں زمین محض ملکیت یا معاشی وسیلہ نہیں بلکہ فرد کی شناخت، وابستگی اور مستقبل سے جڑی ہوئی ہے۔ گسٹاف کا اپنی وراثتی زمین کو محفوظ رکھنا اسی گہری وابستگی کی علامت ہے۔ اقتباس میں معاشی حالات اور جان کے تحفظ کے لیے نقلِ مکانی کو زمین سے دوری کا بنیادی محرک قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر ہجرت معاشی تحفظ کا ذریعہ بنتی ہے، مگر دوسری طرف فرد کو اپنی سرزمین، سماجی تعلقات اور مانوس ماحول سے محروم کر دیتی ہے۔ "بیکار ہوں، پر نادار نہیں ہوں" میں مادی ملکیت کے باوجود ایک طرح کی سماجی اور جذباتی بے وطنی کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔

یوں ناول سماجی تغیر کو صرف دیہات سے شہر کی طرف آبادی کی منتقلی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اسے زمین، روزگار، ہجرت اور شناخت کے باہمی تعلق تک پھیلا دیتا ہے۔ گزشتہ اقتباس میں زمینیں شہری توسیع کی نذر ہو رہی تھیں، جب کہ یہاں وہی زمین فرد سے اس وقت بھی جڑی رہتی ہے جب وہ معاشی یا حفاظتی مجبوری کے تحت اسے چھوڑ کر دوسری سرزمین اختیار کرتا ہے۔ اس طرح جدید معاشی و شہری تغیر انسان کو نئی جگہوں تک تو پہنچاتا ہے، مگر اپنی اصل زمین سے اس کی وابستگی کو ختم نہیں کر پاتا۔

"دنیاپور کے میراثیوں کے محلے کے قدیمی برگد کے قریب اس گدلے جوہڑ کے کنارے ڈھلتے سورج کی روشنی میں وہ شخص جو اس کا دادا تھا کیسے اس موٹے مینڈک کو اس کی آنکھوں کے قریب لاتا تھا۔۔جس نے اسے اپنی نسل اور محبت سے آشنا کیا تھا۔۔اور آج بارہ برس بعد یہ شخص، جو میرا باپ ہے۔۔جس کی سرشت میں محبت کبھی نہ گوندھی گئی کینیڈا کے اداس شہر کیلگری کے نواح میں۔۔۔ایک ایسے ہوم میں جہاں خود فراموشی کے وبال میں آئے ہوئے لوگ پناہ گزین ہوتے ہیں،۔۔اُس کے باپ نے کبھی اس کے چہرے کی جانب الفت سے نہ دیکھا۔۔۔ڈیڈی۔۔ستر درخواست گذاروں میں سے صرف تین کو یونیورسٹی نے ان کی کارکردگی کی بنیاد پر سکالر شپ آفر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔۔ڈیڈی میں ان تینوں میں سے ایک ہوں۔۔وہ متوقع حیرانی اور جوش کی منتظر، ہیجان میں آئی ہوئی، انگلیاں سیکرٹی کہ ابھی وہ اخبار پھینک کر اسے شاباش دینے کے لیے اٹھے گا اور وہ اس سے لپٹ جائے گی پر ایسا نہ کبھی نہ ہوا۔۔"یہ تو بہت اچھا ہوا۔۔"وہ اپنے اخبار سے نظریں ہٹائے

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

بغیر کہتا جیسے وہ اس کے اخبار، تپائی پر رکھی وہسکی کی بوتل اور ٹیلی ویژن پر چلتے اس کے پسندیدہ شو کے درمیان حائل ہوئی ہو۔۔۔"(۱۴)

سماجی تغیرات کے اثرات کو اگلی نسل کی زندگی میں نمایاں کرتا ہے۔ یہاں ہجرت کا مسئلہ صرف وطن سے دوری نہیں رہتا بلکہ خاندان، محبت اور جذباتی وابستگی کے رشتوں میں پیدا ہونے والی کمزوری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لڑکی کو دنیا پور کے گاؤں میں اپنے نانا کی محبت اور قربت یاد آتی ہے، کیونکہ وہیں اسے اپنی "نسل اور محبت" سے آشنائی ہوئی تھی۔ اس کے مقابل کینیڈا میں موجود باپ کا رویہ اس جدید، فرد مرکز معاشرت کی ایسی صورت پیش کرتا ہے جہاں معاشی و تعلیمی کامیابی کے باوجود جذباتی رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بیٹی اپنی غیر معمولی کامیابی پر باپ سے محبت بھری داد کی منتظر ہے، مگر باپ اخبار، شراب اور ٹیلی وژن کی دنیا میں اس قدر محو ہے کہ بیٹی کی خوشی بھی اس کے لیے ایک عارضی مداخلت محسوس ہوتی ہے۔

یہاں سماجی تغیرات کا بنیادی اثر مادی و معاشی ترقی اور جذباتی محرومی کے باہمی تضاد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ بیرونِ ملک منتقلی نے نئی تعلیمی اور معاشی امکانات تو پیدا کیے، لیکن اس کے ساتھ خاندانی قربت، نسلوں کے تعلق اور محبت کے روایتی اظہار میں کمزوری پیدا ہوئی۔ یوں گزشتہ اقتباس میں جس ہجرت کو معاشی یا حفاظتی ضرورت کے تناظر میں دیکھا گیا تھا، اس اقتباس میں اس کے نفسیاتی اور خاندانی نتائج سامنے آتے ہیں۔ اس طرح ناول کا سماجی تغیر ایک اہم سوال اٹھاتا ہے: کیا جغرافیائی اور معاشی ترقی لازماً انسانی اور خاندانی زندگی میں بہتری بھی پیدا کرتی ہے؟ مذکورہ متن کا تجربہ اس کے برعکس ایک ایسی صورت دکھاتا ہے جہاں فرد نئی دنیا میں جگہ تو بنا لیتا ہے، مگر اپنی اگلی نسل کو وہ جذباتی وابستگی نہیں دے پاتا جو اسے اپنی سابقہ سرزمین اور خاندان سے حاصل ہوئی تھی۔ یوں ہجرت نسلوں کے درمیان صرف جغرافیائی نہیں بلکہ جذباتی فاصلہ بھی پیدا کرتی ہے۔

"میرے اندر عزت نفس کے مجروح ہو جانے کا جو طیش تھا وہ تم نے اوران بھاری بھر کم گدھوں نے مکمل طور پر تحلیل کر دیا ہے۔۔۔اور میرا وجود خالی ہو کر ماضی سے ماورا ہو کر بھائیں بھائیں کرنے لگا ہے۔۔اب تم اسے جیسے چاہو بھر دو۔۔"(۱۵)

سماجی تغیرات مختلف خارجی صورتوں جاگیر دارانہ طاقت، طبقاتی تفاوت، خاندانی و ازدواجی رشتوں کی تبدیلی، مذہبی و ذات کی ترجیحات، شہری توسیع، زمین سے جدائی اور بیرونِ ملک ہجرت—میں سامنے آیا تھا؛ یہاں ان تمام تبدیلیوں کا اثر فرد کے باطن، عزتِ نفس

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اور شناخت پر ظاہر ہوتا ہے "وجود خالی ہو کر ماضی سے ماورا" ہونے کا احساس اس امر کی علامت ہے کہ مسلسل سماجی تبدیلی فرد کو اس کی سابقہ شناخت، تجربات اور وابستگیوں سے کاٹ دیتی ہے۔ تاہم اس خالی پن میں ایک دوسرا امکان بھی موجود ہے: "اب تم اسے جیسے چاہو بھر دو"۔ گویا سماجی تغیر صرف ماضی کے انہدام کا نام نہیں بلکہ نئی شناخت اور نئے وجود کی تشکیل کا امکان بھی پیدا کرتا ہے۔

مجموعی طور پر زیرِ مطالعہ متون سے واضح ہوتا ہے کہ خس و خاشاکِ زمانے میں سماجی تغیر ایک ہمہ جہت اور تدریجی عمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ابتدا میں جاگیر دارانہ طاقت اور موروثی طبقاتی مرتبہ انسانی تعلقات کو متعین کرتے ہیں؛ پھر یہی طاقت خاندانی اور ازدواجی نظام کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے بعد ذات، مذہب اور فرد کی شخصی خواہش کے باہمی تعلق میں تبدیلی آتی ہے۔ دیہی زندگی سے شہری معاشرت کی طرف سفر بازار، صارفیت اور طبقاتی تفاوت کو نئی صورت دیتا ہے، جبکہ شہری توسیع دیہی زمین، ماحول اور قدیم طرزِ زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ آخر کار زمین سے جدائی اور بیرونِ ملک ہجرت اس تبدیلی کو نسلی، جذباتی اور شناختی سطح تک پہنچا دیتی ہے۔ اس پورے تسلسل کی اہم بات یہ ہے کہ ناول میں سماجی تغیر کو محض "پرانے کے خاتمے اور نئے کے آغاز" کے سادہ تصور میں پیش نہیں کیا گیا۔ بعض پرانی قدریں نئی صورتوں میں برقرار رہتی ہیں، بعض کمزور پڑتی ہیں اور بعض نئی معاشی و تہذیبی قوتوں کے زیرِ اثر اپنا مفہوم تبدیل کر لیتی ہیں۔ چنانچہ معاشی تبدیلی سماجی تعلقات کو، شہری توسیع جغرافیائی شناخت کو، ہجرت خاندانی رشتوں کو اور یہ تمام عوامل بالآخر فرد کی داخلی شناخت کو متاثر کرتے ہیں۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

حوالہ جات

۱۔ نازیہ پروین، خس وخاشاک زمانے فکری وفنی جہات، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء، ص ۲۶۔۲۷

۲۔ الیاس بابر اعوان، خس وخاشاک زمانے تہذیبی مہابیانیے اور عدم شناخت کا المیہ، مشمولہ، اجرا، کراچی، جنوری ۲۰۱۶ء

۳۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۸۵

۴۔ ایضاً، ص ۸۷

۵۔ ایضاً، ص ۶۲

۶۔ ایضاً، ص ۶۶

۷۔ نازیہ پروین، خس وخاشاک زمانے فکری وفنی جہات، ص ۴۳

۸۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۶۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۴۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴۳

۱۱۔ نازیہ پروین، خس وخاشاک زمانے فکری وفنی جہات، ص ۵۴

۱۲۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، ص ۳۶۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۶۵۔۴۶۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۶۹۔۵۷۰

۱۵۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، ص ۳۹۷